R. No. 2186/57

Regd. No. L. 922

انجمن ترقی اردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

Date 1-8-15-22

Phone—29

Annual Rs. [illegible]

Per Copy -/12 P

جلد ۲۵ - شمارہ ۴۶ | ایڈیٹر: آل احمد سرور | ۸ دسمبر ۱۹۶۶ء

اداریہ

اردو کے ساتھ انصاف میں تاخیر کیوں؟

مشہور انگریزی اسٹیٹس مین نے حال ہی میں ایک اداریہ لکھا ہے جس میں اس قومی زبان کی اہمیت پر روشنی ڈالی ہے اور اس کے ساتھ انصاف کا مطالبہ کیا ہے مگر یہ بھی رائے دی ہے کہ ایسے اہم مسئلے کو عام چناؤ سے پہلے، کیونکہ چناؤ کا ایک مسئلہ بنانے سے بہتر یہ ہوگا کہ چناؤ کے بعد حکومت اس سلسلے میں کارروائی کرے۔ ہم جانتے ہیں کہ اس اخبار نے نیک نیتی سے اپنا خیال ظاہر کیا ہے۔ یہ اردو کا ہمدرد ہے اور چاہتا ہے کہ اردو کا مسئلہ مختلف سیاسی پارٹیوں کے درمیان ایک فٹ بال نہ بنے مگر ہمیں اس کی رائے سے اختلاف ہے۔ جمہوریت میں چناؤ کے کیا معنی ہیں؟ چناؤ اس لیے ہوتا ہے کہ عوام ہر پارٹی کے قول و فعل کا جائزہ لیں جو برسر اقتدار پارٹیاں ہیں ان کی کارگزاری پر تنقیدی نظر ڈالیں۔ اگر اس سے مطمئن ہیں تو اس کی حمایت کریں۔ اگر اس سے غیر مطمئن ہیں اور یہ بے اطمینانی مجموعی طور پر دوسرے معاملات میں کچھ کام کے باوجود ہے تو انھیں حق ہے کہ اس سیاسی پارٹی کی مخالفت کریں۔ اس طرح انھیں یہ بھی دیکھنا ہے کہ جو مخالف پارٹیاں میدان میں ہیں ان کے اصول کیسے ہیں اور ان میں ان اصولوں پر چلنے کی کہاں تک صلاحیت ہے اور کہاں ان اصولوں کی روشنی میں اور ان کی عمل صلاحیت کی روشنی میں ان کی حمایت مناسب ہوگی۔ اس طرح ہر پانچ سال کے بعد قوم کو پورے ملک کے مسائل پر تنقیدی نظر ڈالنے کا موقع ملتا ہے اور اس لیے چناؤ کے زمانے میں ہی برسر اقتدار پارٹی اور دوسری پارٹیوں کے متعلق صحیح رائے قائم کرنے کا وقت ہوتا ہے۔

اب اردو کے سلسلے میں صورت حال کا مختصر طور پر جائزہ لیجیے۔ آزادی کے بعد سے اس قومی زبان کے ساتھ بے انصافی ہو رہی ہے اور ان ریاستوں میں جہاں اردو بولنے والوں کی قابل لحاظ آبادی ہے اس کی تعلیم اور چلن میں بڑی رکاوٹیں ہیں۔ یہ بات اب کسی مزید ثبوت کی محتاج نہیں رہی۔ خود صدر کے نمائندے یعنی لسانی اقلیتوں کے کمشنر کی چھٹی اور ساتویں رپورٹیں اس کا مکمل ثبوت فراہم کرتی ہیں۔ سب سے زیادہ ناگفتہ حالت اترپردیش

کی ہے۔ انجمن نے اور دوسرے اداروں نے ہر طرح احتجاج کرکے دیکھ لیا مگر اترپردیش کے حاکموں پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ اس صورت میں صدر جمہوریہ کو اپنا وہ اختیار استعمال کرنا چاہیے جو دفعہ ۳۴۷ کی رو سے انھیں ملا ہے۔ ظاہر ہے صدر جمہوریہ اسی وقت یہ حکم جاری کریں گے جب مرکزی حکومت انھیں اس کا مشورہ دے گی۔ مگر مرکزی حکومت ایسا نہیں کرتی تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ لوگوں کا رہا سہا اعتماد بھی ختم ہو جائے گا اور اس طرح صرف ایسے عناصر کو تقویت ملے گی جو ملک میں انتشار پھیلانا چاہتے ہیں اور حکومت کی کمزوریوں کا حوالہ دے کر اپنی لیڈری کی دکان چمکانا چاہتے ہیں۔ ہمیں کسی سیاسی پارٹی سے کوئی سروکار نہیں ہے لیکن یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ ملک میں جو سیکولر پارٹیاں ہیں ان میں سے سوائے کانگریس کے کسی کا امکان فی الحال حکومت بنانے کا نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ اردو کے مسئلے میں اگر کانگریس کوئی اچھا قدم اٹھانا چاہتی ہے تو وہ اردو دوستوں پر کوئی احسان نہیں کرتی۔ اُسے تو یہ قدم بہت پہلے اٹھانا چاہیے تھا مگر اب بھی وقت ہے۔ الیکشن کے بعد تک اردو کے مسئلے پر اقدام کو ملتوی کرنے سے سوائے اس کے کہ لوگوں کو اور مایوسی ہو اور وہ اور بددلی کا شکار ہوں اور کچھ نتیجہ نہ نکلے گا کیونکہ اس کی کیا ضمانت ہے کہ الیکشن کے بعد کانگریس لازمی طور پر اس سلسلے میں قدم اٹھائے گی اور مزید غفلت کا ثبوت نہ دے گی۔

اس لیے ہماری سوچی اور سمجھی ہوئی رائے یہ ہے کہ مرکزی حکومت کو فوراً صدر جمہوریہ کو مشورہ دینا چاہیے کہ وہ دفعہ ۳۴۷ کے مطابق اپنے اختیارات کا استعمال کریں اور اترپردیش، بہار اور دہلی میں اردو کو سرکاری زبان کا درجہ دیں تاکہ اردو کی تعلیم اور چلن کے راستے میں جو رکاوٹیں ہیں وہ دور ہو سکیں اور اردو جاننے والوں کو قومی اور سماجی زندگی میں اپنی پوری شخصیت کے اظہار کا پورا موقع مل سکے۔ انجمن اپنے مطالبے پر قائم ہے کہ جب تک اردو کو ان ریاستوں میں سرکاری طور پر تسلیم نہیں کیا جاتا اس وقت تک اردو دوستوں کی شکایت دور نہیں ہوگی اور اردو کے ساتھ انصاف نہ ہوگا۔ اسی لیے انجمن کا ایک وفد صدر انجمن کی قیادت میں دو تین روز کے اندر وزیر اعظم سے ملنے والا ہے تاکہ ان کو اردو دوستوں کے جذبات سے پوری آگاہی ہو جائے اور وہ اس مسئلے میں جلد سے جلد ضروری قدم اٹھا سکیں۔ توقع ہے کہ ہم جلد ہی وزیر اعظم سے بات چیت کی روشنی میں حکومت کے اقدامات کے متعلق کچھ کہہ سکیں گے۔

اردو اور مراٹھی کی ڈکشنری شائع ہوگئی

بمبئی ۲۴ر نومبر۔ ادب و ثقافت کی ترویج و ترقی اور مراٹھی ادب میں ملکی اور غیر ملکی زبانوں کے تراجم شائع کرنے کے لیے حکومت مہاراشٹر نے یکم مئی ۱۹۶۰ء میں ادب اور ثقافت سے متعلق ایک بورڈ قائم کیا تھا اس بورڈ کی اب تک کی کارگزاری اس کی سرگرمیوں اور مستقبل میں اس کے پروگراموں کی وضاحت کرنے کے لیے آج بورڈ کے چیرمین مسٹر لکشمن شاستری جوشی نے ایک پریس کانفرنس میں تفصیلات بیان کی تھیں۔

مسٹر جوشی نے اپنے طویل اور تفصیلی بیان میں بورڈ کی کارگزاری کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا اس کی طرف سے ایک اردو مراٹھی اور مراٹھی اردو کی ڈکشنری شائع کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ کنڑی، گجراتی اور بنگالی کی ڈکشنریاں بھی تیار کی گئی ہیں۔

چیمبرز انسائیکلوپیڈیا کا نیا ایڈیشن

لندن۔ پرگیمان پریس نے حال ہی میں چیمبرز انسائیکلوپیڈیا کا نیا (چوتھا) ایڈیشن نکالا ہے جسے برطانیہ کے وزیر تعلیم و سائنس مسٹر انتھنی کراس لینڈ نے تعلیمی کتابوں کی اشاعت کی تاریخ میں ایک اہم واقعہ قرار دیا ہے۔

یہ انسائیکلوپیڈیا پندرہ جلدوں پر مشتمل ہے۔ پبلشروں نے گزشتہ چند برسوں کے دوران میں اس کی تیاری پر دس لاکھ پونڈ سے زائد رقم صرف کی۔ ان کا دعویٰ ہے کہ یہ دنیا میں سب سے مستند انسائیکلوپیڈیا ہے۔

پرگیمان پریس ہر سال ایک سپلیمنٹ بھی شائع کرے گا جو پانچ سال تک خریداروں کو مہیا کیا جائے گا۔ نئے ایڈیشن کا اجرا پچھلے دنوں لندن میں ایک خاص تقریب میں کیا گیا جس میں سیاسیات، تعلیم، سول سروس، سائنس، انجینیرنگ، انڈسٹری اور تجارت کی نمائندگی کرنے والے لگ بھگ تین سو ممتاز اشخاص کو مدعو کیا گیا تھا۔ (سنگم، پٹنہ)

یونیسکو کی طرف سے پانچواں انعامی مقابلہ

یونیسکو کی طرف سے نوخواندوں کے لیے لکھی گئی کتابوں کے پانچویں انعامی مقابلے میں بہترین کتابوں پر ان کے مصنفین کو انعام دیے جائیں گے۔ انعاموں کی تعداد سولہ ہے اور ہر انعام کی مالیت ۵۳۶ روپے ہے۔ انعامات کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

تین انعام ہندی کے لیے اور ایک ایک باقی دوسری ہندستانی زبانوں آسامی، بنگالی، گجراتی، کنڑ، کشمیری، ملیالم، مراٹھی، اڑیہ، پنجابی، سندھی، تامل، تلگو اور اردو کے لیے۔ اس مقابلے میں یکم جنوری ۱۹۶۵ء اور ۳۱ر دسمبر ۱۹۶۶ء کے درمیان چھپی کتابیں بھیجی جائیں۔ مسودات قبول نہ کیے جائیں گے۔

کتابیں مع انٹری فیس (دس روپے فی کتاب) موصول ہونے کی آخری تاریخ ۳۰ر اپریل ۱۹۶۷ء ہے۔ مزید تفصیلات وزارت تعلیم بھارت سرکار ایس۔ ای۔ ڈی۔ یو II کمرہ نمبر ۶۳ ایم بلاک نئی دہلی سے معلوم ہوسکتی ہیں۔ (قومی آواز، لکھنؤ)

عادل منصوری کے گجراتی دیوان کی اشاعت

عادل منصوری کا نیا گجراتی مجموعہ "پگ رو" کے نام سے سماجی پرکاشن (۲۳۶ سیمول اسٹریٹ بمبئی ۳) کی جانب سے شائع ہوا ہے۔ یہ مجموعہ سو صفحات پر مشتمل ۸×۱۰ کی سائز میں آرٹ پیپر پر شائع ہوا ہے۔

نیشنل بک فیر

عروس البلاد بمبئی میں نیشنل بک ٹرسٹ نے کتابوں کے میلے کا اہتمام کیا تھا۔ ساتھ ہی ساتھ مکتبہ جامعہ لمیٹیڈ شاخ بمبئی نے بھی اس میلہ میں شرکت کی اور ایک "گوشۂ اردو" قائم کیا۔ نیشنل بک ٹرسٹ کی نمائش میں شعرا اور ادبا نے بھی اردو کے تعلق سے جامعہ اور کلچرل پروگرام میں خاصی دلچسپی لی۔ (مومن یوسف حسن، بھیونڈی)

اردو ہندی اور جدید زبانوں کے لیے ۵ کروڑ ۸۰ لاکھ روپیہ خرچ کیا جائے گا

نئی دہلی۔ ۲۶ر نومبر۔ چوتھے منصوبے کے دوران جدید ہندستانی زبانوں کی ترقی پر کل ۵ کروڑ ۸۰ لاکھ روپیہ خرچ ہوگا۔

اس رقم میں مرکز کا حصہ ایک کروڑ اور ریاستوں کا ۴ کروڑ ۸۰ لاکھ ہوگا۔ یہ بات بھارتیہ بھاشا سمیتی کے اجلاس کو ایک سرکاری دستاویز میں بتائی گئی۔

اہم ترین تجویز یہ ہے کہ جدید ہندستانی زبانوں کے لیے جن میں اردو بھی شامل ہے مرکز میں ایک مرکزی انسٹی ٹیوٹ قائم ہوگا اور ریاستوں میں ریاستی انسٹی ٹیوٹ قائم ہوں گے۔ (قومی آواز، لکھنؤ)

اردو کے سن رسیدہ مصنف کا انتقال

لکھنؤ۔ ۲۶ر نومبر۔ اردو کے ایک معمر مصنف اور اردو روزنامہ کے پہلے مرتب منشی منظور علی علوی کاکوروی کا ۷۰ سال کی عمر میں چاٹگام (مشرقی پاکستان) میں گزشتہ اتوار کو انتقال ہوگیا۔ یہ اطلاع آج یہاں موصول ہوئی ہے۔

علوی صاحب نے آج سے ۴۵ سال قبل مراثی میر انیس کو مسلسل واقعات کربلا کے طور پر ایک ہی بحر کے متعدد مرثیوں سے بترتیب واقعات مرتب کیا تھا جو اسی زمانے میں شائع ہوگئی تھی۔ مرحوم علوی صاحب اس کے علاوہ دوسری کئی اردو کتابوں کے مصنف تھے اور علم ہیئت اور نجوم کے ماہر مانے جاتے تھے۔ شہر لکھنؤ میں رمضان کے اوقات افطار و سحر کے نقشے علوی صاحب ہی کی منظوری کے بعد شائع ہوتے تھے۔

(قومی آواز، لکھنؤ)

محمد انصار اللہ

مفتاح السرور عادل شاہی

بہمنی سلطنت نے دکن میں علم و ادب کو جس طرح ترقی دی مشہور و معلوم ہے بیجاپور میں ان کے وارث سلاطین عادل شاہی نے اس روایت کو آگے بڑھایا۔ اس خاندان کا پہلا بادشاہ یوسف عادل شاہ تھا اس کے متعلق مولوی محمد مرتضیٰ مرحوم لکھتے ہیں:

"وہ تمام اوصاف ایک بڑی حد تک اس میں موجود تھے جو ایک بانی خاندان حکومت کے لیے درکار ہیں، وہ نہایت درجہ بارعب، عالی ظرف، حلیم الطبع، جری، معدلت پسند، نیک نفس تھا خوش نویس بھی تھا شاعری تو اس سوسائٹی میں لازمی چیز تھی موسیقی میں بھی کمال تھا... ارباب کمال کا قدردان تھا دور دور سے اہل کمال طلب کیے اور ان کو نہایت قدر و حرمت سے رکھا۔" (عہد سلف صفحہ)

علم دوستی اس کے دربار میں رسائی حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ تھی چنانچہ زیر نظر مخطوطہ کا مولف بھی اس کے دربار تک اسی وسیلہ سے پہنچا اپنے حالات اس نے خود اس طرح بیان کیے ہیں۔

"بیان اسعدک اللہ تعالیٰ کہ از کرم بندگی خدا یگان (کذا) نزاد تخت نشینان دار الخلافت حضرت بادشاہ آبادست... درخلعت سلطنت قرنہا در سایہ دولت دکنت رافت آں دودمان ودلا از و عجائب عالمیاں بخوشی دخورمی گزرانیدند و ہرگز در مدت سلطنت ایشاں اندیشہ انتقال و ارتحال در ضمیر خیال او پیدا نگشتہ و ہوای سفر دامنگیر نیامدہ کہ از وطن مالوف توجہ بجانب از جہات خواہد...... تا درین فترت و اضطراب مملکت مالوف کہ از حوادث روزگار بازیچای چرخ ستکار ظلم و تعدی کفرۂ نابکار پر شکنہ و ابی آں دیار از حد گذشت و سلمانان از و تشیع و شریف ولایت و قلعہ و شہر بند و اسیر ایشاں گشتند بر حکم الجواہر مالا یطاق و دواعی ہمت و بواعث (کذا) ہمت این غریب را بداں داشت کہ عزم خروج از میان مملکت ... چون ہر چند درین قسم آمد و کرد و ہر حکم من بجا رقعہ نقد رنج غیبت باید شمرد و ہر یک از دوستان و عزیزان و مسافران بر و بحر صادر ہمہ و اردو ہم شورت میکرد و استفسار میکرد کہ بکدام طرف روی آورد و در سایہ دولت کدام بادشاہ آنجا نماید ہمہ بیک زبان و یکدل جواب می گفتند کہ امروز در ربع مسکون ہیچ درگاہی و ملجا ذی (؟) بادای خوبا و اہل علم و ہنر ماچوں درگاہ عالی جاہ حضرت سلطان السلاطین قہرمان

سلہ عادل شاہی خاندان کے آخری بادشاہ کو شاہجہاں کے دربار سے خطاب شاہی عطا ہوا تھا لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اپنے علاقہ میں یوسف عادل شاہ بھی بادشاہ کہلاتا تھا۔ (عہد سلف)

دلفاوی والسلطین حیات الاسلام والمسلمین اعدل الملوک واکرمہم فی العالمین فی الارضین ناصر الاولیاء و قاہر الاعداء تاج الدولت والسلطنت الدنیا والدین ابو مجاہد عادل شاہ خلد اللہ ملکہ و سلطانہ و افاض علی کافۃ العالمین برہ و احسانہ محسوس شاہ میشود" (مفتاح السرور عادل شاہی سبب تالیف)

اس میں شک نہیں کہ بہمنی دور دکن میں نسبتاً بہت امن و سکون کا گزرا ہے البتہ آخر زمانے میں حالات بہت بگڑ چکے تھے آخری بادشاہ کے متعلق مولوی محمد مرتضیٰ مرحوم کے الفاظ یہ ہیں۔

"اب بہمنی سلطنت ختم ہو گئی تخت فیروزہ پر بیٹھنے والے ویسے ہی بے بس ہوتے تھے جیسے بغداد و مصر کے خلفاء عباسیہ آخر کلیم اللہ بہمنی نے بابر کے زمانے میں بیدر سے بھاگ کر احمد نگر میں پناہ ڈھونڈی لیکن زمین اس کے لیے تنگ ہو رہی تھی آخر ۹۳۲ھ میں زمین اس کے وجود سے خالی ہوئی یا خالی کر دی گئی اس کی لاش بیدر میں لا کر دفن کی گئی۔" (عہد سلف صفحہ)

"یوسف عادل خاں (جو بعد میں یوسف عادل شاہ کے نام سے مشہور ہوا) جو محمود گاواں کا دست گرفتہ اور حبشی تھا ترک، مغل (پردیسی) پارٹی کا لیڈر رہا اور اس نے دربار میں اپنی مخالف پارٹی کا اثر غالب پا کر حفاظت خود اختیاری کے طور پر بجز اس کے کوئی اور صورت نہیں پائی کہ بیجاپور کے دور مقام پر جا کر دربار کے اثر سے نکل جائے اس طرح ایک ٹکڑا علیحدہ ہو گیا" (عہد سلف صفحہ)

ان اقتباسات سے یہ بات بخوبی ظاہر ہے کہ آخری دور میں رعایا سے گزر کر خود بہمنی خاندان کے بادشاہوں تک کو چین نصیب نہ تھا اس افراتفری کے عالم میں تمام شرفا اور امرا حفاظت خود اختیاری میں مصروف تھے یوسف عادل خاں نے دور اندیشی سے کام لیا اور بہت جلد اپنا علاقہ لے کر الگ ہو گیا بہمنی دار السلطنت (گلبرگہ) سے اکثر لوگ عادل شاہ کے علاقے میں پناہ لینے کے لیے پہنچے تھے اس کی ریاست اس کی خوش انتظامی کے سبب کافی مشہور ہو گئی چنانچہ مولف "مفتاح السرور عادل شاہی" کے مذکورہ بیان سے بھی یہ بات ظاہر ہے۔ مولف نے بھی وہیں کا قصد کیا۔

"متوکلا علی اللہ کمر خدمت بر میان جان بستہ متوجہ حضرت بوسی این (کذا) درگاہ کہ قبلہ حاجات عالمیان است گشت و بعد قطع مراحل و حسن تدبیر و استظہار اہل عیال و اطفال از اں رو طلبہ بابل در تاریخ غرہ ماہ محرم الحرام ۹۲۲ھ اثنین و عشرین و تسعمایۃ الہجریہ علی صاحبہا افضل الصلوۃ و کمال التحیات بمحروسہ بیجاپور رسید بود... فرحا و سرورا و سیب من الحوادث والشرور رسید الحق شہری دید ... خند و جناں ملک رشک روضۂ رضواں ہزار ان ہزار ابر تاسف و نا امید تصنیع عمر کہ سال از دل حزیں و خاطر غمگین بر آمد"

یہ وقت تھا کہ یوسف عادل شاہ اپنی ریاست کو مستحکم کرنے میں مصروف تھا۔ "یوسف عادل کا یہی زمانہ تھا جب کہ پرتگالیوں نے گوا پر بھی قبضہ

کیا (۱۵۱۰ء) اور اس پر قبضہ بھی کر لیا۔ پرتگالیوں نے گووا میں وہ مظالم کیے جنکی نظیر تاریخ ہند میں نہیں ملتی اگرچہ یوسف عادل شاہ نے گووا پھر واپس لے لیا لیکن اس کی واپسی کے بعد پرتگالیوں نے تھانہ دار کو رشوت دیکر پھر قلعہ پر قبضہ کر لیا اور یوسف کے مرنے کے بعد... گووا اسلامی اقتدار سے خارج اور پہلی مغربی آنے والی قوم کی حکومت میں تسلیم کر لیا گیا۔" (عہد سلف ص۸۲)

اس سلسلے کی جنگی مصروفیتوں کا ذکر مولف نے اس طرح کیا ہے

"چوں بندگی حضرت سلیمانی فضل سبحانی از دار الخلافت بیجانگر شمال و سزا دادن بعضی مفسدان و شریران و قرار دادن ولایت خاص نهضت و کیفیت فرموده بودند با خود اندیشه کرد که جنگ منصوری تحفه وسیله نمود ند عمل بر بیخودی و عدم کیاست خواهد افتاد چه بر ارباب بصیرت و اصحاب سریرت روشن و مبرهن است که اهل عمل و شهریار در حضرت ملوک و سلاطین از وسیله جستن چاره نباشد هر چند عده وعده رسیده باشد و چون سرمایه این غریب علم طب است که حق تعالی ارزانی فرموده مدت مدید خلاصه عمر و اوقات در تحصیل آن صرف نموده خواست که تا هنگام مراجعت رایات ظفر آیات کتابی در حفظ صحت که مطلوب و مقصود بالذات این علم است و بیان خواص ادویه و اغذیه مرکبه و مفردات و دیگر معرفت سموم و پازهرها از قول حکماء متقدمه و متاخره و آنچه از استادان خویش دیده و شنیده جمع آورده ترتیب دهد و پیش پای تخت فلک مدار بگذراند تا عالمیان را از مطالعه آن انتفاع کلی حاصل شود و صیت ناشره و محامد بادشاه اسلام تا انقراض عالم باقی ماند لیکن چون دید که از فرصتی در ایام فراغتی تمام می باید تا تمام رساله العجالة الوقت رساله دیگر در قوت باه و آنچه بدان تعلق دارد از کتب حکماء هند و روم و دیگر اهل تجارت جمع نموده و دیباچه آن را بنام نامی حضرت سلیمانی موشح و مرشح گردانید تا بدان وسیله خود را در سلک دیگر خدام مخصوص گرداند و جاگیری و خدمت خویش مجری آورده و این کتاب را بمقدمه و سه مقاله و خاتمه ثبت داد و مفتاح السرور عادل شاهی نام نهاد امید که بعز القبول ملحوظ و مقبول گردد انشاء الله تعالی"

اس طرح کتاب کی وجہ تالیف کے علاوہ خود بادشاہ کی علم دوستی کا ثبوت بھی ملتا ہے کہ تصانیف بھی اس کے دربار تک رسائی کا ذریعہ تھیں حق یہ ہے کہ ایسے ہی علم دوست حکمرانوں کے عہد میں علم و فن کی وہ ترقی ممکن تھی کہ جو ہوئی۔

مولف نے بادشاہ کا نام صرف "عادل شاہ" لکھا ہے حالانکہ اس خاندان کے سبھی بادشاہوں کے ناموں میں یہ جز شامل ہے اس کا سبب یہ ہے کہ "یوسف عادل شاہ" پہلا بادشاہ تھا اور وہ عام طور پر "عادل شاہ" کے نام سے بھی متعارف تھا چنانچہ تاریخ فرشتہ میں بھی ہے۔

"بعہد و شروط وفا کردہ بحوالی سلطنت عادل شاہیہ مزاحمت و تشویش نمی رسانند"

البتہ مابعد کے کسی بادشاہ کا ذکر ہوتا تو اس کا پورا نام لکھنا ضروری تھا۔

کتاب "مفتاح السرور عادل شاہی" ۵×۸ انچ سائز پر نہایت خوشخط اور صاف لکھی ہوئی ہے، ضخامت ۳۳ ورق، ہر ورق پر اعداد و شمار تحریر ہیں، کاغذ بہت نفیس ہے کہیں کہیں کرم خوردگی کے آثار ہیں، ترقیمہ یہ ہے۔

"تمام شد کتاب کتاب مفتاح السرور عادل شاہی بتاریخ چہارم شہر رجب ۱۰۰۰ ہزار ہجری در دار السرور برہانپور دانا الراقم الآثم ابن محمد قاسم محمد کاظم غفر ذنوبه و ستر عیوبه الحمد لله علی الاتمام و الصلوة علی خیر الانام محمد و آله البررة الکرام..."

اگرچہ اس کی کہیں تصریح نہیں کی گئی ہے نسخہ کا کاتب مولف کا بیٹا معلوم ہوتا ہے۔ حکیم قاسم اس علاقہ کے سرکاری اطبا میں تھا البتہ ابراہیم عادل شاہ اول کے زمانے میں جب حالات بگڑے تو وہ احمد نگر چلا گیا تھا یہ بادشاہ نہایت جلد باز اور ناعاقبت اندیش تھا مولوی محمد مرتضیٰ لکھتے ہیں:

"کہا جاتا ہے کہ مرض الموت میں بھی اس نے بہت سے اطبا مروا ڈالے حکیم ملک چھوڑ کر بھاگ گئے دوا فروشوں نے پیشہ چھوڑ دیا" (عہد سلف ص۸۳)

احمد نگر کے حاکم برہان نظام شاہ کے یہاں حکیم قاسم نے ملازمت حاصل کر لی لیکن وہاں شاہ طاہر کے زمانے میں ان کا رسوخ کسی قدر کم ہو گیا تھا۔

"شہزادہ عبد القادر تپ محرقہ سے سخت بیمار ہو گیا قاسم بیگ حکیم سرکاری اور دیگر اطبائے مسلمان اور ہندو علاج سے عاجز آ گئے تھے حتی کہ پنڈتوں سے مندروں میں کارپردازی کی دعائیں ہونے لگیں ایسے وقت میں شاہ طاہر نے اپنے اثر سے مذہب اثنا عشری قبول کروا لیا" (عہد سلف ص۱۰۱)

طاہر کے بعد برہان شاہ کے پاس قاسم بیگ حکیم اور گوپال راؤ کا رسوخ بڑھا...؛ ۹۶۱ھ میں برہان نظام شاہ مرگیا... باپ کے مرتے ہی بیٹوں میں نزاع برپا ہوئی قاسم بیگ حکیم حسین کا طرفدار تھا اور اسی کی تائید سے حسین تخت نشین ہوا" (ایضاً ص۱۰۳)

اس طرح حکیم قاسم کو حسین نظام شاہ کے زمانے میں عروج حاصل ہوا مرتضیٰ نظام شاہ کی ماں کے زمانے میں بھی "ملا عنایت اللہ پیشوا اور حکیم قاسم بیگ کے مشورہ سے تمام کاروبار چلتے تھے (ایضاً ص۱۰۴)" لیکن جلد ہی زمانہ بدلا اور انھیں احمد نگر چھوڑنا پڑا۔

"قاسم بیگ گجرات چلا گیا کہا جاتا ہے کہ اس نے چلتے ہوئے اپنی عمر بھر کی کمائی شاہ رفیع الدین فرزند شاہ طاہر کے پاس امانت رکھوا دی تھی گجرات پہنچ کر واپس طلب کی لیکن ایک (باقی ص پر)

غزلیں

حسن حقی

منزل اداس ہیں ہے رواں آج جو ہجوم
ویران راستوں پہ مرے ساتھ ساتھ گھوم

سنتے ہیں خون، خون کا بدلا ہے جانِ من
پھر تو بھی انتقام لے آ بڑھ کے مجھ کو چوم

میرے لبوں سے تیرے لبوں نے کہا تھا کچھ
کیا بات تھی کہ سارے بدن میں مچی ہے دھوم

بادِ بہار کا مجھے دھوکا نہ دے سکی
آئی تھی تیری زلف سے ہوتی ہوئی سموم

سننے کی زد میں اب تو ہے دھڑکن مجھی پھر بلا
وہ دیکھ بند ہو گئے چپ ہمنشیں، لوم

چھوڑیں نہ پیچھا میرے خیالی وجود کا
جن کو ملی شکار گہہِ حرمتِ نجوم

سعادت نظیر

نہ ڈر اے دل بلائے ناگہاں سے
گزرنا ہے تجھے ہر امتحاں سے

قفس ہے اور تنہائی ہے میں ہوں
صبا، کہنا یہ اہلِ گلستاں سے

مٹائیں خیر اب گلچین و صیاد
اٹھے شعلے وہ شاخِ گلستاں سے

محبت ہی متاعِ زندگی ہے
یہ آواز آتی ہے کون و مکاں سے

فسانہ در فسانہ بن گئی ہے
کبھی جو بات نکلی تھی زباں سے

جو اپنے تھے وہی اب ہیں پرائے
تو پھر شکوہ ہی کیا اہلِ جہاں سے

کہیں بے درد کیوں ایسے کو ہائے دل
جو واقف ہی نہ ہو سوزِ نہاں سے

اسی سے عشق کے ہنگامے اٹھے
چلی جو بات تیری داستاں سے

تمہارا دل بہت مسرور ہوتا
اگر سنتے نظیر خوش بیاں سے

رئیس مینائی

عارض کی جھلکتی دھوپ میں بھی زلفوں کا گھنیرا سایا ہے
امروز کے جھوٹے پیالے میں بھی مئے کا دھندلکا چھایا ہے

اب تک غمِ فردا نہ تنہائی کا ہر احساس ستا!
جیون کی اکیلی راہوں میں جب آئے تو تنہا آیا ہے

اے حسنِ گریزاں تیرے لیے اک عمر گنوائی رو رو کر
کانٹوں سے بھرا دامن وہ تھکن کو بھی ہم نے بچایا ہے

یہ بات ابھی کچھ دن ہی کی ہے جب ساتھ کسی کا رہتا تھا
اب دھیان کی گم سم گلیوں میں اک غم کسی کا رہتا ہے

رمز آفاقی

خوشا کرم کہ وہ اب بے حجاب دور نہیں
کسی کے لطف تو دل ناتواں سے دور نہیں

ابھی حیات کو سوز و گداز بخشنا ہوں گے
ابھی حیات کا پہلو فغاں سے دور نہیں

تم اہلِ میکدۂ عشق کی کرو تعظیم
یہ لوگ محفلِ روحانیاں سے دور نہیں

نقوشِ حسن پہ در نازک تصور ہے
نیاز مند ترے آستاں سے دور نہیں

نہیں ہے کم تو ہری راہ کا وہ انجم
وہ دن کبھی ابھرتی کلی جہاں سے دور نہیں

ہمیں کوئی زمیں دور تک ہی پہنچاتے
وہ بزمِ ناز سنا ہے وہاں سے دور نہیں

بلندیوں میں کبھی پھر خرابیوں کا ہے
ہم اس زمیں پہ بھی آسماں سے دور نہیں

تری تلاش میں بے سود ہے یقین کفر
کہاں سے دور ہے منزل کہاں کہاں سے دور نہیں

چلے تو دیکھ کے وہ دوراں کا رمز دل کے قریب
یہ کہنا پڑتا ہے برقِ آشیاں سے دور نہیں

کرن

پورن کمار ہوش

ہمارے جسم ہیں ننگے کہ ان پہ کھا کے ترس
لباس تم انھیں دریا دلی سے پہنا دو
ہمارے پیٹ ہیں خالی کہ ان کی خاطر تم
ملازمت کے بہانے سے رزق بھی بخشو
اسی لیے ہے ہمارا نفس نفس بیمار
کہ تم دوا کے لیے اسپتال بنوا دو
ہمارے بچے تمہارے کرم کے گن گائیں
یہ تم پہ فرض ہے اسکول کوئی کھلوا دو
ہمارے ذہن پراگندہ ہوں نہ حق کے لیے
کوئی بھون یا کوئی مندر تم ہی کروا دو

ہوا ہے تم سے جو سرزد وہ ہے بہر صورت
ہر ایک فعل ہمارے مفاد کا ضامن
ہماری زندگی تم کو طرح سے پیاری ہے
یہی سرور ہمارے دلوں پہ طاری ہے
تم اپنے شہر کے بے جوڑ ان دیر کرن
ہم اس لیے ہیں کہ قائم رہے تمہارا بھرم

زیست اور گیت

واحد علی بانکے

زیست!
طوفان کی لہروں میں
جوان عزم کی ناؤ
زیست!
تخلیق کی آنکھوں سے
ٹپکے ہوئے اشک
ڈوبتی رات کے
ماتھے پہ سحر کی تنویر
گیت!
دکھ کے ساگر میں ابھرتا ہوا دیپ
سینۂ کوہ میں سوئی ہوئی تاب
روحِ تخلیق لیے
رقص گرداب میں معصوم مسرت کی کرن
درد کے تند بگولوں میں
یہ جلتا ہوا دیپ!

(باقی صفحہ ۲ سے آگے)

یعنی بھی اندر نہ پائی اس غم کے مارے وہ مر گیا۔" (حیدر سلطان ملک)

مولف نے آدمی کی عمر طبیعی ایک سو بیس سال بتائی ہے۔

"۔۔۔ تا مدت حیات عیش و خوشی بگذرانند۔۔۔ و قریبا اندرین ایشاں بر عمر طبیعی کہ صد و بیست سال است بقول حکمائی متاخرین وفا کنند" (مفتاح السرور عادل شاہی مقدمہ)

۲۲ ویں میں وہ اپنی عمر ۸۰ سال بتاتا ہے اس لحاظ سے اس نے تقریباً سو سال کی عمر پائی۔

کتاب مفتاح السرور عادل شاہی جیسا کہ مقدمہ کے اقتباسات بالا سے ظاہر ہے علم طب میں ہے کتاب کی زبان بھی فارسی ہے لیکن اس میں ہندوستانی یا اردو کے الفاظ اور مصطلحات کافی تعداد میں ملتے ہیں۔ بلکہ مولف چونکہ کتاب اہل ہند کے لیے لکھ رہا تھا اس لیے اس نے اس کا التزام کیا ہے کہ الفاظ اور اصطلاحیں ایسے ہی لکھے ہیں جو اہل ہند کے لیے قریب الفہم اور ان کے محاورے کے زیادہ مطابق تھے بلکہ بیشتر جگہ ہندوی مترادفات بھی لکھا گیا ہے مثلاً

"خراطین کہ بہندوی کیچوہ گویند"

"ازو تینی زوچہ آبی کہ آنرا دو بہندوی جونک گویند"

"ابتدای در آمدن آفتاب در برج حمل است کہ اصحاب آنرا بہ ہندی میکھ راس گویند"

"مہر شکل را بہ ہندوی نامی نہادہ اند"

اس سلسلے کے تمام الفاظ اگر یکجا کر لیے جائیں تو لسانیاتی نقطہ نظر سے ان سے دور رس نتائج برآمد ہو سکتے ہیں یوں اردو کے طالب علم کے لیے بھی یہ کتاب دلچسپی کا سامان فراہم کرتی ہے۔

مقالہ دوم میں پہلی فصل یہ ہے۔

"فصل اول در معرفت ادویہ با بیوہا ماحی آن جملہ اہل ہند"

مولف نے یہ فصل اس نظریہ سے قائم کی ہے کہ اہل ہند بھی علم طب سے بہ آسانی واقف ہو سکیں چنانچہ لکھتا ہے:

"بباید دانست بر حکما و متقدم و اطبا بہر منفعت و خاصیت ہر دوا و آنچہ ایشاں را بروزگار دراز تجربہ معلوم گشتہ بود جملہ در کتب طبی و حکمت بیان نمودہ اند۔۔ چہ مقصود ما درین کتاب ذکر ادویہ با بیہ است و لا عرمیش (؟) مجموعہ ادویہ مفردہ را کہ و محرک و قوت باہ اند درین فصل یاد کنم تا اسامی ہر یک بزبان ہندی آنچہ یافتہ می شود و در تحت آں تبویم و بچنیں در آخر فصل ذکر تراکیب مشہورہ مستعمل طریق اجمال بیاورم تا طالب را اطلاع کلی بدان حاصل شود و آسان تواند یافت و کسی کہ ذات او کامل بود زیادہ کامل گردد و اگر نادان باشد کامل خواہد شد و کسی کہ حکمت ندانستہ باشد چوں این عمل بدست دید حکیم خواہد شد"

اس فہرست میں اس نے کئی ایسے الفاظ لکھے ہیں جن کا وہ خود عام طور پر استعمال نہیں کرتا مثلاً شہد اور نارجیل وغیرہ۔ پوری کتاب میں ان کی جگہ مولف نے ہر جگہ عسل اور نارگیل الفاظ تحریر کیے ہیں۔ یہاں یہ ایک اہم نکتہ ہے کہ ہر ترقی پذیر اور زندہ قوم علوم و فنون کو اپنانے کی کوشش کرتی ہے وہ زمانہ تھا کہ قوم سر بلند اور خود شناس تھی وہ اہل روم اور اہل یونان سے بھی علم طب کو اپنی زبان اور اپنے محاورات میں اپنے ماحول کے مطابق ڈھال لینے کے لیے کوشاں تھے اس حقیقت پر مندرجہ بالا اقتباس بھی شاہد ہے افسوس ہے کہ آج ہم انگریزی کے نفیر ہو کر رہ گئے ہیں کہ ادنی تغیر بھی گوارا نہیں آج بھی جب کہ اردو زبان میں تمام تر وسعت پیدا ہو چکی ہے طب کو اردو میں منتقل کرنے کی کوئی تحریک معلوم نہیں ہوتی نسخے بھی فارسی ہی میں لکھے جاتے ہیں درانحالیکہ اب ہم فارسی زبان تو بڑی بات ہے فارسی رسم الخط سے بھی ایک حد تک دور ہوتے جا رہے ہیں۔

مولف نے دیباچہ میں کہا ہے کہ وہ حکماء ہند و روم کے طریقوں سے اس کتاب کی ترتیب دے گا لیکن فی الحقیقت اس نے اہل یونان سے بھی اس کتاب کے لیے استفادہ کیا ہے چنانچہ لکھتا ہے

"ادویہ مفردہ کہ نزدیک حکماء یونان اعلیٰ بایں عمل دارند"

اہل ہند میں بھی اس نے حکماء کے اصولوں سے ہی استفادہ نہیں کیا بلکہ حسب ضرورت اس نے جوگیوں کے طریقوں کا ذکر بھی کیا ہے مثلاً یہ اقتباس

"چنانچہ کہ بعضی از جہال اطبا و جوگیاں میگویند۔۔۔۔۔۔"

ان وجہ سے وہ ضرورتاً ہندوستانی الفاظ اور مصطلحات کا بھی کافی استعمال کرتا ہے اس کی کتاب سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ اس عہد میں اطبا خود مصنف کے اصول پر پوری طرح کاربند تھے اور اس مقصد کے لیے انھوں نے کسی ایک خطہ یا انداز فکر پر تکیہ نہیں کر لیا افسوس ہے کہ آج کے اطبا کا حال اس کے برعکس ہے جو اپنے قدیم سرمائے سے ایک حد تک بے بہرہ ہیں اور دوسرے مقامات کے طریقہ علاج سے استفادہ کرنا معیوب جانتے ہیں طب کی مقبولیت میں کمی اور کامیابی میں دشواریوں کا بہت بڑا سبب یہ بھی ہے۔

مفتاح السرور عادل شاہی کے مطالعے سے یہ بھی خیال ہوتا ہے کہ اہل روم سے اس حد تک تعلق کا اثر زبان پر بھی ضرور ہوا ہوگا اور چونکہ تعلق کافی عرصے تک رہا ہے زبان کے ارتقا کا لسانیاتی نقطہ نظر سے مطالعہ کرتے ہوئے اس نکتہ کو بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔

اس کتاب کی اہمیت جنسیات کے مطالعے کے سلسلے میں بھی بہت ہے کیونکہ اس سے اتنے قدیم دور کے نظریات کا پتا چلتا ہے۔ انسانی جسم کی ساخت اور مختلف اعضاء کے افعال کا تذکرہ بھی مولف نے خاصی تفصیل سے کیا ہے اور ظاہر ہے کہ اس لحاظ سے بھی کتاب بہت اہم ہے۔ غرض اپنی گوناگوں خصوصیات کے پیش نظر یہ مخطوطہ نہایت قابل قدر ہے خصوصاً طبی نقطہ نظر سے اس کی اشاعت نہایت مفید ہوگی یہی خیال اس کے ان سطور میں تعارف کرانے کا محرک ہوا۔

ہماری زبان

کو مضامین و مراسلات بھیجتے وقت یہ خیال رکھیں کہ وہ کاغذ کے ایک طرف لکھے ہوں۔

سید فضل المتین

داغ کے تین شاگرد

۱- عبدالرحیم خاں ـ رحیم

حالات و تلمذ

مولانا خواجہ حسنی اجمیریؒ اپنی بیاض یادداشت[1] میں تحریر فرماتے ہیں۔
(محمد) عبدالرحیم خاں۔ رحیم پٹنہ (عظیم آباد) کے رہنے والے تھے بسلسلۂ ملازمت (اکونٹنٹ اگزامنر آفس، اجمیر) ایک عرصہ تک اجمیر میں مقیم رہے۔ اپنی سسرال (ٹونک) میں انتقال کیا۔

اور "گلشن داغ"[2] اگست ۱۸۹۰ء میں تحریر ہے
"جناب محمد عبدالرحیم خاں صاحب رحیم عظیم آبادی اکونٹنٹ اگزامنر آفس، اجمیر تلمیذ خدائے سخن حضرت داغ دہلوی مدظلہ"

نیز "پیام یار" جنوری ۱۸۸۹ء میں لکھا ہے۔
"جناب محمد عبدالرحیم خاں صاحب رحیم عظیم آبادی، حال وارد اجمیر شاگرد جناب داغ"

نمونۂ کلام

مرا مقتل میں کچھ آنے خدا کے واسطے ظالم
گلے پہ پھیر نا خنجر کی دھار آہستہ آہستہ
بلا کی ناز کی کمر میں ہے از حد ناتواں میں ہوں
نگاہ ناز سے ہو مجھ پہ وار آہستہ آہستہ
فرشتے ان کے مجرم میں وہ اگر سن ہی لیتے ہیں
کروں میں دل سے بات اپنے ہزار آہستہ آہستہ

پیام یار ـــ جنوری ۱۸۸۹ء

وعدۂ وصل پہ تسکین تو کیا دیتے ہیں
ایسی کچھ کہتے ہیں وہ ہوش اوڑا دیتے ہیں
اب وہ تعظیم میری حد سے سوا دیتے ہیں
غیر بیٹھا ہو تو محفل سے اٹھا دیتے ہیں
کیا عنایت ستم آمیز ہے اون کی دیکھو
غیر کی مہر میرے خط پہ لگا دیتے ہیں
یہ سمجھیں ہیں کہ وہ لاتے ہیں ذرا خاطر میں
ایسے ویسے کو تو باتوں میں اوڑا دیتے ہیں

اپنے مطلب کی تو سن لیتے ہیں دل سے باتیں / میرے مطلب کی جو ہو بات اڑا دیتے ہیں
تم تو ایسے ہو کہ ہنستوں کو رلا دیتے ہو / ہم تو ایسے ہیں کہ روتوں کو ہنسا دیتے ہیں
اپنی تقصیر پہ کیوں محو نہ میں ہو جاؤں نثار / وہ مجھے اپنے ہی ہاتھوں سے سزا دیتے ہیں
کیا کہوں اون کا کچھ انداز بیاں ایسا ہے / جھوٹ بھی ہو تو وہ سچ کر کے دکھا دیتے ہیں
میں نے جب پوچھا کہ دل کس نے لیا تو یہ کہا / لینے والے بھی کہیں صاف بتا دیتے ہیں
منزل عشق میں کھٹکے ہیں ہزاروں اے دل / اونچ نیچ اس میں بہت سے یہ جتا دیتے ہیں
کھل چلی ہے وہ زباں اون کی الٰہی توبہ / ایک اگر کوئی کہے سو وہ سنا دیتے ہیں
لطف کے پردے میں کرتے ہیں ستم وہ پنہاں / گدگداتے ہیں یہاں تک کہ رلا دیتے ہیں
حال دل اپنا کہے کوئی تو کیونکر اون سے / یہ ستم ہے کہ وہ اوسے جھوٹ بتا دیتے ہیں
خاک میں اون سے کہوں حال پریشاں اپنا / دل لگی میں وہ مری بات اڑا دیتے ہیں
صاف کہتا ہی نہیں حال وہاں کا آ کر / نامہ بر کو وہ سبق ایسا پڑھا دیتے ہیں
نامۂ شوق مرا کھول کے پڑھتے ہی نہیں / ہاتھ سے لیتے ہی قاصد کے جلا دیتے ہیں

ولہ

بے سنے تہمت اک ایسا لگا دیتے ہیں / بات جو یاد کبھی آتی ہے بھلا دیتے ہیں
اپنے گھر کا وہ کسے صاف پتا دیتے ہیں / غیر کے گھر کو وہ گھر اپنا بنا دیتے ہیں
کوئی اس راہ سے گھر کے گیا ہے بیشک / یہ نشاں آپ کے نقش کف پا دیتے ہیں[5]
ہاتھ اوٹھا کر وہ سوئے چرخ خدا جانے مجھے / کوستے ہیں کہ شب و روز دعا دیتے ہیں
جب گذرتے ہیں وہ کوچے سے ہمارے شب کو / نقش پا غیر وہیں آ کے مٹا دیتے ہیں
وہیں ہو جاتی ہے بیمار محبت کو شفا / نام جس وقت ترا لے کے دعا دیتے ہیں
وصل میں بھی وہی ہوتی ہیں ستم کی باتیں / چھیڑ کر ذکر عدو آگ لگا دیتے ہیں
دل بھی رہتا نہیں قابو میں ہمارے یارب / ڈیڑھ اینچ کر وہ اوسے ایسا پڑھا دیتے ہیں
میں نے کب کس سے کہا راز محبت کھولے / آپ کیوں جھوٹ مرا نام لگا دیتے ہیں
لے کے دل اون سے وفادار کہاں رہتا / شیوۂ خاص وہ اپنا ہی سکھا دیتے ہیں
خط میں عنوان کی جا لکھتا ہوں حب کا تعویذ / جب سے قاصد نے کہا خط کو جلا دیتے ہیں
جب طلب کرتا ہوں دل اون سے تو کہتے ہیں مجھے / اسے رہنے دو تمہیں اور منگا دیتے ہیں
نام تک اب نہیں لیتے مرا اللہ اللہ / کوئی پوچھے تو اشارہ سے بتا دیتے ہیں
مے کے پینے سے جب انکار ذرا کرتا ہوں / ڈال کر ہاتھ گلے میں وہ پلا دیتے ہیں
نہیں کہتے نہیں کہتے سبب عشق رقیب / جی سے کچھ جوڑ کے وہ بات بنا دیتے ہیں
آتش شوق بھڑکتی ہے زیادہ اس سے / آپ ناحق مجھے دامن کی ہوا دیتے ہیں

کیا مزہ ملتا ہے لوگوں کو نہ معلوم رحیم
یہ ادھر کی جو ادھر لوگ لگا دیتے ہیں

گلشن داغ ـــ اگست ۱۸۹۰ء

۲- رام نرائن ـ حیران

حالات و تلمذ

---

[1] یہ "بیاض یادداشت" مولانا حسنی اجمیریؒ نے تذکرہ شعرائے اجمیر کے لیے تحریر کی تھی۔

[2] گلشن داغ، "پیام یار"، "گلشن داغ"

[3] گلشن داغ کے لیے ملاحظہ کیجیے میرا مراسلہ "گلشن داغ" مطبوعہ ہماری زبان یکم جنوری ۱۹۹۲ء اور رشید حسن خاں کا مراسلہ گلشن داغ مطبوعہ ہماری زبان ۲۲ مارچ ۱۹۹۲ء

[5] ...... کا مشہور شعر ہے ـــ
ابھی اس راہ سے کوئی گیا ہے
کہے دیتی ہے شوخی نقش پا کی

مولینا خواجہ معنی اجمیری تحریر فرماتے ہیں[۱]۔

"بابو رام نرائن جیرانؔ۔ شاگرد داغؔ۔ آڈٹ آفس میں ملازم تھے۔ حکیم بہاؤالدین خاں بہارؔ سے طب بھی پڑھی تھی۔ برسوں اجمیر میں مقیم رہے۔ ریٹائرڈ ہونے کے بعد دہلی چلے گئے تھے۔ مگر اکثر اجمیر آتے جاتے رہتے تھے ۱۹۵۰ء ۶۴ برس کی عمر میں دہلی میں وفات پائی۔

اور گلشن داغ اگست ۱۸۹۰ء میں لکھا ہے

"جناب رام نرائن صاحب جیرانؔ۔ کلرک آڈٹ آفس اجمیر تلمیذ حضرت داغؔ مدظلہٗ"

نمونۂ کلام

تیرے آنے کی خبر دل کو سنا دیتے ہیں
اس کی تسکین کو اک بات بنا دیتے ہیں
صفحۂ دہر پہ کچھ حرفِ غلط تو ہیں نہیں
نام لکھ لکھ کے میرا کیوں وہ مٹا دیتے ہیں
کشتۂ خار بھی تیرے ہیں غضب کے عیار
روز مرنے کی خبر اپنے اڑا دیتے ہیں
سخت نادان ہیں جو معشوقوں سے رکھیں امید
یہ وہ گل ہی نہیں جو بوئے وفا دیتے ہیں
داورِ حشر تو محشر میں سنے گا فریاد
تم سنو یا نہ سنو ہم تو سنا دیتے ہیں
خلوتیں ہم سے بھی ہوتی تھیں کبھی وہ دن تھے
یہ بھی دن آ گئے محفل سے اٹھا دیتے ہیں

گلشن داغ ــــــــ اگست ۱۸۹۰ء"

۴ — غلام رسول خاں ہمچینؔ

حالات

مولینا خواجہ معنی اجمیری تحریر فرماتے ہیں[۲]

(ملخص) غلام رسول خاں ہمچینؔ۔ اجمیر کے قدیم باشندگان میں سے تھے۔ داغؔ دہلوی سے شرفِ تلمذ تھا۔ اجمیر میونسپلٹی میں سررشتہ دار رہے۔ اجمیر کی دڑے پران[۵] کا آبائی مکان تھا

نمونۂ کلام

نہ آیا ہائے وہ ہر چند انتظار کیا
قرار کرکے مجھے اور بے قرار کیا
گرا ہی جاتا ہے سر آج اوس کے قدموں پر
سنا ہے جب سے کہ خنجر کو آبدار کیا
تمام داغؔ دلِ سوختہ بھڑک اوٹھے
عبث چراغ کو روشن سرِ مزار کیا
جو آیا ہوتا کبھی وہ تو کچھ یقین کرتا
نجانے کیوں دلِ شیدا نے اعتبار کیا
اشارے بزم میں دیکھے جو غیر سے اوس کے
تیری وفا نے مجھے خوب شرمسار کیا
نہ آیا چین اوسے قتل پر بھی اے ہمچینؔ
مرے پہ لاش کو ظالم نے سنگسار کیا

نازؔ عشاقی[۴]　　نومبر ۱۸۸۴ء

مجھے "تذکرہ شعرائے اجمیر" کے لیے متذکرہ شعراء کے (کس قدر) حالات اور نمونۂ کلام کی ضرورت ہے۔ اگر کوئی واقف حال مطلع فرمائے۔ تو کرم ہوگا۔

م۔ نازؔ عشاق۔

باقی صفحہ ۹ سے آگے

چاہیں گے تو میں ڈیڑھ سو منظوم ڈراموں کے نام گنوا دوں گا۔ ڈاکٹر صاحب آگے لکھتے ہیں: "اگر نامی صاحب کے نزدیک ڈرامانثر ہی میں ہو سکتا ہے تو پھر دور جدید کے بہت سے شہ پاروں کو کن خانوں میں رکھا جائے گا۔ ممکن ہے کہ یہ نظریۂ ڈاکٹر عقیل صاحب کا اپنا ہو جو انھوں نے میرے سر تھوپ دیا ہے یا زبردستی تھوپنے کی کوشش کی ہے۔ میں نے اپنا نظریہ اردو تھیٹر جلد اول ص۔۔ پر پیش کرتے ہوئے اردو ڈرامے کو مندرجہ صاف اور واضح حصوں میں تقسیم کیا ہے (۱) منظوم ڈرامے (۲) ملکوتی ڈرامے (۳) طلسماتی ڈرامے (۴) مذہبی ڈرامے (۵) تاریخی ڈرامے (۶) معاشرتی ڈرامے (۷) سیاسی ڈرامے (۸) اصلاحی ڈرامے (۹) تبلیغی ڈرامے (۱۰) مزاحیہ ڈرامے اور (۱۱) مختصر ڈرامے اور ہر ڈرامے کی تشریح کئی کئی صفحات میں کی ہے مثال کے طور پر منظوم ڈرامے کو لیجیے جس کی تشریح میں میں نے ۴ صفحات صرف کئے ہیں۔

۱۔ "بیاض یادداشت" مولینا خواجہ معنی اجمیریؒ

۲۔ بہارؔ کے لیے ملاحظہ ہو میرا مضمون۔ داغؔ کے شاگرد حکیم بہاؤالدین خاں بہارؔ اجمیری۔ مطبوعہ "ہماری زبان" ۸ جولائی ۱۹۶۶ء۔

۳۔ "بیاض یادداشت" مولینا خواجہ معنی اجمیریؒ۔

۴۔ "نازؔ عشاقی"۔ اجمیر

۵۔ اجمیر کے ایک محلہ کا نام۔ جہاں تقسیم ملک سے پہلے مسلمان آباد تھے۔

مراسلات

امانت کی اندر سبھا

مندرجہ بالا عنوان سے ڈاکٹر سید محمد عقیل کا طویل مراسلہ ہماری زبان علی گڑھ مورخہ یکم ۸ / ۲۹ کو ۹۶ء نظر سے گزرا۔ اس مراسلہ میں اگر میرا ذکر نہ ہوتا تو میں اس کی طرف متوجہ بھی نہ ہوتا کیونکہ اس جمہوری دور میں ہر شخص کو خیالات پیش کرنے کا حق حاصل ہے۔ قبول کرنا یا نہ کرنا صاحبان عقل و دانش اور محققین کا کام ہے۔

ڈاکٹر عقیل صاحب نے بڑی چابکدستی سے پروفیسر مسعود حسن رضوی کے نظریات کی تردید انہی کے الفاظ میں کی ہے۔ پروفیسر رضوی کا نظریہ یہ ہے:

(۱) اردو کا پہلا ڈراما واجد علی شاہ نے لکھا اور کھیلا۔

(۲) اردو ڈرامے کے لیے پہلا تھیٹر تعمیر کرنے کا سہرا بھی انہی کے سر ہے۔

ان نظریات کو رد کرتے ہوئے ڈاکٹر عقیل لکھتے ہیں:

(الف) واجد علی شاہ اختر سے پہلے شاہی ڈرامہ کی روایات نصیر الدین حیدر کے زمانہ میں ملتی ہیں۔

(ب) اس سے پہلے بھی نواب سعادت علی خاں کے دور میں رہس کھیلے جاتے تھے۔

(ج) محمد قلی قطب شاہ سے لے کر ناسخ تک اور ان کے بعد بھی سیکڑوں اشعار موجود ہیں جن میں راجہ اندر اور ان کے اکھاڑے کا تذکرہ ہے۔

(د) دیا شنکر نسیم نے گلزار نسیم میں پوری اندر سبھا پیش کر دی۔

مندرجہ بالا سطور سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اندر سبھائیں واجد علی شاہ کے زمانہ سے بہت پہلے عام طور پر کھیلی جاتی تھیں۔ نواب رئیس تعلقہ دار زمیندار شلع دار اپنی حویلیوں اور بارہ دریوں میں کھیلتے تھے۔ غریب اور مفلس کھلے میدانوں اور سڑکوں گلیوں میں۔ جب لکھنے کا سوال ہی نہ ہو تو واجد علی شاہ کے اندر سبھا کھیلنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

پروفیسر رضوی کا خیال ہے کہ واجد علی شاہ کی اندر سبھا دیکھ کر امانت نے اپنی اندر سبھا لکھی۔ یہ نظریہ بھی ڈاکٹر عقیل نے غلط ثابت کر دیا ہے۔ جو دلائل امانت کے لیے ہیں وہ ہی واجد علی شاہ کے لیے۔ عقیل صاحب لکھتے ہیں:

(الف) اندر سبھا کا نام امانت کا اپنا رکھا ہوا نہیں ہے۔

(ب) اندر سبھا امانت کے ذہن کی پیداوار نہیں ہے۔

(ج) اندر سبھا کے کردار امانت کے تخلیق کئے ہوئے نہیں ہیں۔

(د) اندر سبھا کا قصہ بھی ان کا اپنا نہیں ہے۔

(ہ) اندر سبھا کو لوگوں نے معمولی کھیل تماشے سے زیادہ اہمیت نہیں دی۔

پروفیسر رضوی کا تیسرا نظریہ یہ ہے کہ اردو ڈرامے کے لیے پہلا تھیٹر تعمیر کرنے کا سہرا بھی انہی (واجد علی شاہ) کے سر ہے۔

یہ نظریہ بھی غلط ہے۔ پرتگالیوں، ڈچ، انگریزوں اور فرانسیسیوں میں سے کسی نے بھی لکھنؤ کیا پورے اودھ میں کوئی تھیٹر تعمیر نہیں کیا۔ واجد علی شاہی دور کے کسی مصنف کی کسی عبارت سے یہ بھی پتہ نہیں چلتا کہ لکھنؤ میں کہیں بھی تھیٹر تعمیر ہوا تھا۔ یہ ممکن ہے کہ واجد علی شاہ نے کسی چبوترے کا نام تھیٹر رکھ دیا ہو کیونکہ جو شخص چوک کی رنڈیوں منڈیوں کو جلیل القدر خطابات سے نواز سکتا ہے وہ دو کوڑی کی چیز کو بھی بام فلک تک پہنچانے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

ڈاکٹر عقیل نے پروفیسر رضوی کے دعووں کو غلط ثابت کرنے کے بعد میری طرف بھی توجہ فرمائی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"ڈاکٹر نامی نے ڈراموں کے نام اور تفصیلات کہاں سے اکٹھا کیں۔ اگر ان کے حوالے مکمل اقتباسات کے ساتھ ہوتے تو بہتر ہوتا لیکن ایسا نہیں ہے" جواباً عرض ہے کہ "اردو تھیٹر" کے تعارف (جلد اول) میں میں نے جس قدر حوالے ضروری سمجھے وہ دے دیئے۔ اگر ان کو مزید معلومات کی ضرورت ہو تو وہ ۱۸۵۳ء سے ۱۸۵۵ء تک کے (۱) بمبئی گزٹ (۲) بمبئی ٹائمس (۳) بمبئی گزٹ اور (۴) بمبئی کرانیکل سے حاصل کر سکتے ہیں جو ان کو بمبئی آرکائیوز میں مل جائیں گے۔

ڈاکٹر صاحب کا دوسرا اعتراض یہ ہے کہ میں اندر سبھا کو رہس کہنے پر مصر ہوں کہ حضرت یہ بات نہیں ہے۔ میں ہر اس چیز کو جو اسٹیج پر پیش کی جائے ڈراما سمجھتا ہوں خواہ وہ راس لیلا ہو یا رام لیلا۔ رہس بھی ناٹک تھی لیکن جب ڈرامہ کی ہر صنف اپنی خاص خصوصیت کی بنا پر ایک خاص نام سے یاد کی جاتی ہے تو یہ ضروری ہے کہ اس کو اسی نام سے یاد کیا جائے۔ رام لیلا کو رام لیلا اور رہس کو رہس کہنے میں کیا حرج ہے۔ ہر متمدن زبان خاص کر انگریزی ادب میں جس کا ہم سے زیادہ اور قریبی تعلق ہے ڈرامہ کی ہر صنف کے لیے ایک خاص نام مقرر ہے جس کے سنتے ہی اس کی صفات آنکھوں کے سامنے پھر جاتی ہیں مثلاً

COMEDY, INTERLUDE, MELO, MIRACLE, MORALITIES, PASTORAL, POETIC, OPERATIC, TRAGEDY.

آپ میلو ڈراما یا مریکل پلے کا نام لیجئے۔ سننے والا فوراً آپ کا مقصد سمجھ جائے گا۔

ڈاکٹر عقیل صاحب لکھتے ہیں "نامی صاحب نے منظوم نمونوں کو ڈراموں کی فہرست سے خارج کر دیا ہے" میں ڈاکٹر صاحب کی توجہ "اردو تھیٹر" کی جلد اول کے صفحہ ۲۶۵ کی طرف مبذول کراؤں گا۔ عنوان ہے "منظوم ڈرامے" میں نے اردو میں منظوم ڈراموں کی تدریجی ترقی پر روشنی ڈالتے ہوئے صفحہ ۲۶۷ پر لکھا ہے "بمبئی کی کمپنی نبتی تھی وہ منظوم ڈرامے ضرور دکھلاتی تھی" اس کے بعد میں نے تیس منظوم ڈراموں کے نام گنوائے ہیں۔ یہ ۱۹۶۲ء کی بات ہے۔ آج اگر ڈاکٹر صاحب (باقی صفحہ ۸ پر)

اردو کو مدھیہ پردیش میں ثانوی زبان تسلیم کیا جائے

اوجین کے اردو اداروں کی جد و جہد

اوجین، مدھیہ پردیش میں اردو کو اس کا جائز حق دلانے کے لیے تمام اردو اداروں کا ایک مشترکہ اجلاس مجلس مشاورت کی جانب سے طلب کیا گیا تھا۔ اس میں طے کیا گیا ہے کہ اردو کو مدھیہ پردیش میں ثانوی زبان کا درجہ ملنا چاہیے۔ تناسب آبادی کے لحاظ سے اردو والوں کا یہ دستوری حق ہے ملک کے آئین نے اس کی ضمانت دی ہے اور صدر جمہوریہ کو اختیار حاصل ہے کہ وہ ایسی ریاست میں جہاں اردو والوں کی تعداد دستور میں دیئے تناسب کے مطابق موجود ہو وہاں اردو کو ثانوی زبان بنانے کا آرڈیننس جاری کر کے اس پر عمل کرائیں۔ اجلاس میں جس کی صدارت مولانا عبدالہادی فرما رہے تھے اتفاق رائے سے تمام اردو جماعتوں کے نمائندوں نے طے کیا ہے کہ اس مطالبہ کی حمایت میں ریاست گیر تحریک شروع کی جائے گی اور اردو کے مسئلہ پر تمام جماعتیں متحد ہو کر کام کریں گی۔

اس موقع پر حضرت مولانا مسعود احمد صدیقی نے بھی نہایت بصیرت افروز معلومات پر مبنی خیالات کا اظہار کیا۔ آپ نے کہا اردو کو اس کا جائز مقام دلانے کے لیے بغیر قربانی دیئے کام نہیں چلے گا۔ برسر اقتدار لوگ زبان و ادب کے لیے بھی ناانصافی اور تنگ نظری اور مصلحت اندیشی کے نام پر اردو دشمنی پر اترے ہوئے ہیں۔

جمہوریت میں اجتماعی طاقت ہی اصل طاقت ہے آپ سب متحد ہو کر سرگرم ہو جائیے اردو کو اس کا جائز حق مل جائے گا۔

وعدہ شکنوں سے اردو والوں کو بڑی مایوسی ہوئی ہے۔ مسلم یوتھ کانگریس کے جناب حبیب نور نے کہا کہ اردو کے لیے ہم ہر قربانی دینے کے لیے تیار ہیں پر امن سنگھرش، بھوک ہڑتال وغیرہ کے لیے بھی ہمارا گروپ تیار ہو چکا ہے۔ انجمن ترقی اردو کے سلطان احمد صدیقی، بزم ادب کے محمود رنگی، بیت المال کمیٹی کے محمد یعقوب، جمعیۃ علماء کے عبدالرشید، خاکسار جماعت کے سالار عبدالجبار نے بھی اپنے خیالات ظاہر کیے۔

جو تجاویز پاس کی گئیں انھیں تمام اداروں کے نمائندوں پر مشتمل مجلس عمل بنانے، عام انتخابات اور ریاست میں ہونے والے دوسرے انتخابات کی ووٹر لسٹ اردو میں بھی شائع کرنے کا مطالبہ، اوجین میں ایک ہائر سکنڈری، دو مڈل اور پانچ پرائمری اردو اسکول قائم کرنے کی مانگ شامل ہے۔ (ندیم)

دلی پولیس کا ریکارڈ اور اردو

نئی دلی ۲۳ نومبر آج لوک سبھا میں ایک سوال کے جواب میں وزیر داخلہ کی طرف سے بتایا گیا کہ دلی میں پولیس چوکیوں اور تھانوں وغیرہ میں ریکارڈ اردو میں رکھے جاتے ہیں تاہم اگر کوئی ان کی ہندی نقل چاہتا ہے تو وہ دے دی جاتی ہے۔ انھوں نے بتایا کہ اب تک فارم رجسٹر وغیرہ اردو میں ہیں لیکن آئندہ یہ ہندی میں چھپائے جا رہے ہیں۔ (الجمعیۃ)

اردو کو علاقائی زبان کا درجہ دیا جائے سوشلسٹ پارٹی کا مطالبہ

لکھنؤ ۱۲ نومبر چندر بلی سنگھ ایم ایل اے کی قیادت میں قائم شدہ سوشلسٹ پارٹی کی مجلس عاملہ کے جلسہ میں کئی تجاویز منظور کی گئیں جن میں سے ایک کے ذریعہ اردو کو اتر پردیش کی علاقائی اور دوسری زبان کا درجہ دینے کا مطالبہ کیا گیا۔ (ریاست)

جھریا میں اردو کانفرنس کی تیاریاں شروع

جھریا۔ اردو کانفرنس کے انعقاد کے لیے ایک اہم میٹنگ ہوئی جس میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ جلد از جلد رائے عامہ کو ہموار کر کے اردو کانفرنس کی تاریخ کا اعلان کیا جائے۔ اس سلسلہ میں جناب مولانا محمد قاسم ندوی چیئرمین اور مجلس استقبالیہ نے یہ اپیل کی ہے۔

اردو ہندوستان کے کروڑوں انسانوں کی مادری زبان ہے اس سے ہندو مسلم بلا تفریق مذہب و ذات محبت کرتے آئے ہیں مگر افسوس ہے کہ اب تک اس ملک میں اس کے ساتھ سوتیلی ماں جیسا سلوک کیا جاتا رہا ہے۔

ان حالات کے پیش نظر ہم لوگوں نے دسمبر ۹۶ء کے دوسرے ہفتہ میں ایک اردو کانفرنس جھریا میں منعقد کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔

سرکردہ اردو دوستوں کے علاوہ وزیر اعظم، وزیر تعلیم ہند، وزیر اعلیٰ بہار کے نام بھی دعوت نامے جاری کیے گئے ہیں۔ جھریا و مضافات وغیرہ کے اردو دوستوں سے اپیل کی جاتی ہے وہ اس میں تعاون فرمائیں۔ (دعوت)

ہسوا ضلع گیا میں یوم اردو کا جلسہ

ہسوا ۱۴ نومبر انجمن ترقی اردو ہند کے اعلان کے مطابق ہسوا میں بھی پبلک اردو لائبریری کی طرف سے یوم اردو شاندار طریقے سے منایا گیا جس میں ہر نقطہ نظر کے لوگوں نے کثیر تعداد میں شرکت کی۔ اس جلسہ کی صدارت جناب سید فصاحت علی خاں کر رہے تھے۔ جناب فصیح احمد نے اپنی تقریر میں کہا کہ اردو ہندی کو بے دخل کرنا نہیں چاہتی وہ صرف جینے کا حق مانگتی ہے۔ جناب ٹھاکر پرشاد برنوال نے اپنی تقریر میں اردو کو ثانوی علاقائی زبان قرار دینے کی پرزور حمایت کی۔ جگدیش پرشاد جین نے بھی اردو کا حق تسلیم کرنے پر زور دیا۔ آخر میں جلسے نے چند قرار دادیں منظور کیں جن میں اردو کی راہ میں حائل رکاوٹوں کو دور کرنے پر حکومت کو متوجہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ (دعوت)

انجمن ترقی اردو بھاگلپور کے وفد کی وائس چانسلر سے ملاقات

بھاگلپور انجمن ترقی اردو بھاگلپور کا ایک وفد بھاگلپور یونیورسٹی کے وائس چانسلر سے جناب آنند موہن سنہا سابق سفیر ہند کی قیادت میں ملا۔ وفد میں ڈاکٹر محمد یونس صاحب صدر انجمن، مولانا اشرف عالم ندوی جنرل سکریٹری انجمن، سی۔ پی۔ سنگھ کلیم صاحب ایڈووکیٹ آئی ایس یا با

صاحب سکریٹری صابونس بورڈ عبد الحبیب صاحب ایڈووکیٹ مولانا فضاء حسین صاحب جنرل سکریٹری جمعیۃ علماء گورکھپور بابو منصور خاں صاحب پلیڈر وکیٹ مولانا حکیم فدا حسین صاحب مہتمم جامعہ محمدیہ عربیہ شاہ جنگی سکریٹری شاخ گورکھپور محمد قمر الحسن جوائنٹ سکریٹری انجمن و مدرس مدرسہ شاہ جنگی شریک تھے۔ وفد نے میمورنڈم پیش کرتے ہوئے متعلقہ مسائل پر مکمل تبادلۂ خیال کیا۔ بالخصوص ایم اے میں اردو کلاس اور بی۔ اے میں اردو آنرز کی تعلیم کے لیے کلاس کھولنے کا مسئلہ زیر بحث آیا۔ وائس چانسلر صاحب نے وفد کی تمام باتوں کو غور سے سنا اور فرمایا کہ اردو ایک ترقی یافتہ زبان ہے ہماری خواہش ہے کہ اس کی تعلیم کا انتظام ضرور کیا جائے لیکن سردست ہمارے لیے سب سے بڑی دشواری فنڈ کی ہے۔

یونیورسٹی کی موجودہ پوزیشن مزید کسی بھی زبان میں تعلیم کے لیے کلاسز قائم کرنے کی مجھ کو اجازت نہیں دیتی ہے البتہ اگر آپ کی کوششوں یا دیگر ذرائع سے گورنمنٹ مجھے فنڈ مہیا کرے گی تو ہم کو ایسے کلاسز کے افتتاح پر کسی طرح کا اعتراض نہ ہوگا۔ بلکہ ہماری تمنا کی تکمیل ہوگی۔

آخر میں جب موصوف کی توجہ اس طرف مبذول کرائی گئی کہ کم از کم سردست پرائیویٹ امتحان کی اجازت دیدی جائے۔ اس سلسلے میں انھوں نے بتایا کہ یونیورسٹی میں کیا دشواریاں ہیں اس کا جائزہ لے کر عنقریب آپ کو آگاہ کروں گا اگر ان کو میں دور کر سکا تو ضرور دور کردوں گا ورنہ اس مسئلہ کو کونسل میں لانے کی کوشش کروں گا وفد نے موصوف کے جذبات کی قدر کرتے ہوئے اپیل کی کہ ہم آپ سے ایسی ہی توقع رکھتے ہیں اور یہ کہ جناب اس مسئلہ پر خصوصی توجہ مبذول فرمائیں تاکہ اردو داں طبقہ کی شکایتیں اور پریشانیاں دور ہو جائیں۔

انجمن کی طرف سے آنند موہن سنہا صاحب گورنر صاحب سے مل کر فنڈ کے مسئلہ پر گفتگو فرمائیں گے۔ (سکریٹری انجمن ترقی اردو گورکھپور)

ریسرچ ایسوسی ایشن شعبۂ اردو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کا جلسہ

۱۸ر نومبر ۱۹۶۶ء کی سہ پہر میں اردو ریسرچ ایسوسی ایشن کا پہلا جلسہ ہوا جس کا افتتاح عالی جناب محمد فضل الرحمٰن صاحب پرو وائس چانسلر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی نے فرمایا۔

پروفیسر آل احمد سرور صدر شعبۂ اردو نے اپنی تمہیدی تقریر میں ایسوسی ایشن کے اغراض و مقاصد پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا کہ ہم نے یہ حلقہ اس غرض سے قائم کیا ہے کہ شعبۂ اردو کے اساتذہ اور ریسرچ کے طلبہ اپنے علمی اور تحقیقی مقالے پیش کریں تاکہ ان پر بحث و مباحثہ ہو اس طرح کا کام کرنے والوں کی ہمت افزائی بھی ہوگی اور تنقید و تبصرے کی روشنی میں لکھنے والے اپنے مقالات کو زیادہ سے زیادہ معیاری اور جامع بنا سکیں گے۔ ۱۹۴۷ء کے بعد تحقیق کی طرف ہمارے یہاں خاص طور پر توجہ کی گئی ہے اور یہ بڑی خوشی کی بات ہے کہ بعض اہم موضوعات سے متعلق قابل قدر مواد جمع ہو گیا ہے لیکن اس کا افسوسناک پہلو یہ ہے کہ عام طور پر معیار کا لحاظ نہیں کیا جاتا۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے اساتذہ اور ریسرچ کے طلبہ اس طرف خاص توجہ دیں اور اسی مقصد سے ہم نے یہ ایسوسی ایشن قائم کی ہے۔

عالی جناب محمد فضل الرحمٰن صاحب نے اپنی تقریر میں ایسوسی ایشن کے قیام پر اپنی مسرت کا اظہار کیا اور اسے ایک مبارک اقدام سے تعبیر کیا۔ انھوں نے فرمایا کہ میری خواہش ہے کہ دوسرے شعبے بھی اس طرح کی ایسوسی ایشن قائم کریں۔ آج کل تحقیق کا بہت زور ہے یہ اچھی بات ہے لیکن افسوس یہ ہے کہ ہمارے ذہن میں یہ بات صاف نہیں ہوتی کہ ہم کیوں تحقیق کر رہے ہیں اور جس موضوع پر تحقیق کر رہے ہیں وہ اہم اور نتیجہ خیز ہے یا نہیں درحقیقت تحقیق کے لیے تنقیدی شعور کی بے حد ضرورت ہے۔ ہم عام طور پر غیر معروف ادیبوں اور شاعروں پر تحقیق کرتے ہیں تو ہمارے ذہن میں یہ تصور نہیں ہوتا کہ ان پر وقت صرف کرنے سے ادبی تاریخ یا ادبی تنقید کے سلسلے میں کیا اضافہ ہو سکتا ہے دوسری بات یہ ہے کہ غیر اہم اور غیر معروف مصنفین پر اس وقت توجہ ہونی چاہئے جب اہم اور بڑے مصنفین پر کافی کام ہو چکا ہو ہمارے یہاں ابھی تک بڑے بڑے شعراء کے دواوین کی تدوین نہیں ہو سکی ہے اور نہ ان کے حالات کی پوری چھان بین ہو سکتی ہے اس لیے انھیں نظر انداز کرکے چھوٹے چھوٹے شعراء کے دواوین کو مرتب کرنا یا ان پر مواد جمع کرنا کچھ زیادہ سود مند نہ ہوگا۔ اس کے علاوہ ریسرچ کرنے والوں کو اردو کے علاوہ فارسی، انگریزی، ہندی ادب سے بھی اچھی طرح واقف ہونا چاہیے۔

پرو وائس چانسلر صاحب کی تقریر کے بعد پروگرام کے مطابق کنور اخلاق محمد خاں شہریار لکچرر شعبۂ اردو نے اپنا تحقیقی مقالہ "مشرقی معیار نقد اور قدیم اردو تنقید" پڑھ کر سنایا۔ یہ مقالہ دراصل ان کے تحقیقی مقالے کا تمہیدی باب ہے جس کا عنوان ہے "اردو تنقید پر مغربی تنقید کے اثرات: انیسویں صدی میں"۔ اس مقالے میں عربی اور فارسی کے اصول نقد کا جائزہ لیتے ہوئے قدیم اردو تنقید پر اس کے اثرات کا تجزیہ کیا گیا ہے۔

مقالے کے متعلق مجنوں گورکھپوری، ڈاکٹر خورشید الاسلام، ڈاکٹر خلیل الرحمٰن اعظمی، ڈاکٹر قاضی عبد الستار، نادر علی خاں، اجمل اجملی وغیرہ نے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ آخر میں صدر جلسہ پروفیسر آل احمد سرور نے ساری بحث کا جائزہ لیتے ہوئے بعض باتوں کی وضاحت کی۔

(عبد الغفار شکیل سکریٹری)

تبصرے

تبصرہ نگار شہریار

وادیِ خیال۔ شہاب اشرف

قیمت:۔ دو روپے پچاس پیسے

ملنے کا پتہ:۔ شمیم بک ڈپو، آصف علی روڈ، نئی دہلی

شہاب اشرف مشہور غزل گو شاعر ہیں۔ زیر تبصرہ مجموعہ میں غزلوں کے علاوہ چند نظمیں اور کچھ قطعات بھی شامل ہیں لیکن شہاب اشرف کے شعری مزاج کی صحیح نمائندگی ان کی غزلیں ہی کرتی ہیں۔ فراق گورکھپوری اور نیاز فتح پوری صاحب نے دیباچوں میں شہاب اشرف کی شاعری کی جن خصوصیات کی طرف اشارہ کیا ہے ان سے شہاب اشرف صاحب کی شاعری کے بارے میں کوئی رائے قائم نہیں کی جا سکتی کیونکہ فراق صاحب اور نیاز صاحب نے اپنی محبوب تنقیدی اصطلاحات کو اپنے مخصوص مبہم انداز میں کچھ اس طرح شہاب صاحب کی شاعری پر چسپاں کرنے کی کوشش کی ہے کہ کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ گنگناتی ہوئی کسک، دبی ہوئی ٹیس، ایک چوٹ، ایک تھرتھراہٹ وغیرہ ایسی خصوصیات ہیں جو فراق صاحب کے ہر شاعر کے کلام میں نظر آ سکتی ہیں اسی طرح درد کی کسک دل کی سوزش، لطیف تاثرات، افتادگی و سپردگی، مایوسانہ صبر و ضبط وغیرہ نیاز صاحب کی وہ تنقیدی اصطلاحات جن کا نسخۂ ترکیب استعمال شاید نیاز صاحب کو ہی معلوم ہے بظاہر کسی تبصرہ میں اس قسم کی باتیں غیر ضروری معلوم ہوتی ہیں لیکن فراق، نیاز اور اسی قبیل کے بعض دوسرے نقادوں کے اثر سے ہمارے یہاں ایسی تنقید وجود میں آ رہی ہے جس میں صاف اور واضح بات نہیں ہوتی اور ایک ایسی زبان استعمال ہوتی ہے جو سبھی کے لیے کام دے جاتی ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ ان مبہم اصطلاحات کی معنویت پر غور کیا جائے۔

شہاب اشرف صاحب کی شاعری میں جو چیز سب سے زیادہ قابل توجہ ہے وہ ان کے جذبے اور احساس کی شدت ہے۔ احساس اور جذبے کی شدت بعض اوقات ہیجان میں تبدیل ہو جاتی ہے لیکن شہاب اشرف نے اپنے جذبات اور احساسات کی تربیت اور تہذیب اور زبان و بیان کے صحیح ادراک سے اپنی شاعری کو بڑی حد تک اس عیب سے بچائے رکھا ہے۔ صنف غزل کی یہ خوبی یا خامی ہے کہ اس کے سانچے میں ڈھلنے کے بعد انفرادی احساس و جذبہ پر بھی عمومی جذبہ اور احساس کا گمان گزرتا ہے۔ یہ صنفی خوبی یا خامی شہاب اشرف کی غزلوں میں بھی ملتی ہے لیکن مجموعی حیثیت سے شہاب اشرف اپنی انفرادیت کو پانے میں کامیاب ہو گئے ہیں چند اشعار دیکھیے

اتنا بھی تو یاد آئے کوئی — ہر سانس پیام ہو گئی ہے

چھیڑا نہ تیری یاد نے اک عمر دل کا ساتھ — ہم تجھ سے بے خبر رہے یہ اور بات ہے

اے گردش ایام ذرا دیر ٹھہر بھی — نظروں سے چھپی جاتی ہے وہ راہ گزر بھی

دل پہ اک بوجھ لیے پھرتے ہیں اس طرح شہاب — جیسے دنیا میں کوئی اپنا شناسا ہی نہیں

ذوقِ جمال (مجموعہ کلام) عنوان چشتی

قیمت:۔ تین روپے۔ ملنے کا پتہ:۔ مکتبہ جامعہ دہلی

عنوان چشتی صاحب بقول خود ان کے تقریباً بارہ سال سے شعر کہہ رہے ہیں لیکن میں نے ان کا بہت کم کلام رسائل میں دیکھا ہے اور مشاعروں میں بھی وہ شریک نہیں ہوتے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ عنوان صاحب نام و نمود سے بے نیاز ہیں اور شاعری ان کے لیے قلبی اور ذہنی واردات کے اظہار کا ذریعہ ہے جس کے لیے انھوں نے غزل کے پیرایہ کو اختیار کیا ہے۔ غزل نیم وحشی نہیں بلکہ کچھ زیادہ مہذب صنف سخن ہے۔ کروچے نے شاعری میں اظہار کے مسائل پر بحث کرتے ہوئے ایک جگہ لکھا ہے کہ شاعر اپنی بات کو دوسروں تک پہنچانے کے لیے جو میڈیم اختیار کرتا ہے وہ زبان ہے اور زبان کو سماج بناتا ہے اس لیے جب شاعر اپنے انفرادی جذبہ یا احساس کو اس کے ذریعہ سے دوسروں تک پہنچاتا ہے تو اسے اپنے تخلیقی تجربے اور زبان کے درمیان ایک طرح کی مفاہمت کرنی پڑتی ہے اور اس طرح جو کچھ وہ کہتا ہے وہ یا تو اس سے کچھ زیادہ ہوتا ہے یا کچھ کم جو اس کا حقیقی مقصود تھا۔ غزل کے شاعر پر یہ بات پوری طرح صادق آتی ہے غزل کی شاعری بغیر مفاہمت کے وجود میں نہیں آ سکتی اور بعض اوقات مفاہمت کی مقدار اتنی زیادہ ہو جاتی ہے کہ اصل تجربے کا سراغ تک نہیں ملتا لیکن داخلی تجربات کے اظہار کے لیے غزل اب بھی زیادہ موزوں صنف سخن ہے۔

عنوان چشتی صاحب کی شاعری کے موضوعات وہ داخلی تجربات ہیں جن کا تعلق عشق اور اس کے متعلقات سے ہے اور ظاہر ہے کہ ان تجربات کو تفصیل و وضاحت کے ساتھ نہیں ایمائیت اور اختصار کے ساتھ ہی پیش کرنا مناسب تھا۔ عنوان صاحب بڑی حد تک اس میں کامیاب ہیں۔ خاص طور سے ان کی وہ غزلیں جو ان کے زیر تبصرہ مجموعہ کے شروع میں شامل ہیں صاف، شگفتہ اور مترنم ہیں اور اپنے سوز و ساز اور درد و داغ سے متاثر کرتی ہیں چند اشعار ملاحظہ کیجیے۔

اے باد صبا تو چھو کے گیسو — خوشبو کی سفیر ہو گئی ہے

اف یہ تنہائی دل کا عالم — زندگی ایک خلا ہو جیسے

تیری جھکی ہوئی نظروں کا یہ انداز حسین — جانے کیا چیز نسیم سحری مانگے ہے

یوں چراتا ہوں نگاہوں سے نظریں — چھپ کے وہ دیکھ رہا ہو جیسے

کسا کس نے ترا نام لے کے آوازہ — بکھر گیا مری تنہائیوں کا شیرازہ

آخر میں پڑھنے والوں کو میرا مشورہ یہ ہے کہ وہ دیباچہ پڑھنے سے پہلے کلام پڑھیں پھر دیباچے کے متعلق بھی وہ بہتر رائے قائم کر سکیں گے ضروری نہیں کہ شاعر اپنی شاعری کا خود اچھا ناقد بھی ہو۔

"ہماری زبان"
سے خط و کتابت کرتے وقت اپنے خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔

مالک انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ، پرنٹر و پبلشر ... قریشی نے مسلم ایجوکیشنل پریس علی گڑھ میں چھپوا کر دفتر مرکزی انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ سے شائع کیا